OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

اسلام میں امان کا تصور

The Concept of Aman in Islam

Dr. Imrana
HOD, Department of Arabic, GCWUF.

Laiba Munir
Mphil Scholar, Department of Islamic Studies, GCWUF.

Sania Nawaz
Mphil Scholar, Department of Islamic Studies, GCWUF.

Received on: 13-07-2024 Accepted on: 14-08-2024

Abstract

Islam is a comprehensive way of life that uploads peace, justice and protection of human dignity. The concept of Aman (security or protection) in Islam is not limited to a wartime tactic or political agreement; rather it is a moral, legal and spiritual commitment to safeguard the klife, property and freedom of all individuals- including enemies, non-Muslims and prisoners. The Quran emphazises the sanctity of life and the obligations to honour agreements of safety and protection. The prophet Muhammad (P.B.U.H) exemplified this through his actions, such as the constitutions of Madinah, the general amnesty ath the conquest of Makkah, and his humane treatment of prisoners. The era of rightly guided Caliphs further reinforced these principles by protecting non-Muslims religious right and ensuring justice for all. This article explores the legal definition, types and historical implementations of Aman in Islamic tradition and argues for its relevance in promoting peaceful coexistence in today's society.

Keywords: Aman in Islam, Islamic Law, Protection of non-Muslims, Human rights in Islam, Constitutions of Madinah, Prophet Muhammad

اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسان کی زندگی کے ہر پہلو کو احاطہ میں لیتا ہے۔

اسلام کی تعلیمات کا بنیادی مقصد ایک اسے معاشرے کو تشکیل دینا ہے جہاں پر ہر فرد خواہ کسی بھی نسل یا مذہب سے تعلق یا قوم سے تعلق رکھتا ہو خود کو محفوظ اور باعزت محسوس کرے۔اسی مقصد کے تحت ہی اسلام نے امان کا جو تصور پیش کیا ہے وہ دشمن یا غیر مسلم کو بھی محفوظ اور تحفظ فراہم کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔اسلام نے امان کے جو اصول مقرر کیے ہیں ان کا مقصد جنگ و جدل کی بجائے امن اور باہمی تعلقات کو فروغ دینا ہے۔اسلام کا تصور امان ہمیں یہ بھی سبق دیتا ہے کہ اختلافات کے باوجود دوسروں کی عیان و مال کی حفاظت کی جائے اور ان کا احترام کیا جائے۔ان کے دور میں یہ جب دنیا عدم برداشت اور تشدد کا شکار ہو چکی ہے اسلام کا یہ پیغام مزید اہمیت اختیار کر گیا ہے۔

اسلام کا تصورِ امن اپنی بنیاد انہی آفاقی اصولوں پر استوار کرتا ہے جو انسان کے جان، مال اور عزت کے تحفظ کو لازم قرار دیتے ہیں، چاہے وہ فرد مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اسلامی تعلیمات میں عدل و مساوات کی وہ جہتیں موجود ہیں جو کسی بھی انسان کو محض اس کے مذہب، نسل یا گروہی وابستگی کی بنیاد پر محرومی یا زیادتی کا شکار نہیں ہونے دیتیں۔ قرآن و سنت کے پیغام میں جس امن، رواداری اور بقائے باہمی کا درس دیا گیا ہے، وہ محض نظریاتی سطح تک محدود نہیں بلکہ عملی زندگی میں انسانوں کے مابین احترام، تحفظ اور انصاف کے حقیقی تقاضے پورے کرتا ہے۔ یہی اصول ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں جہاں غیر مسلم اقلیتیں بھی وہی حقوق رکھتی ہیں جو ایک مسلمان شہری کو حاصل ہیں۔

یہ صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ انفرادی، اجتماعی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی نظام کو بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اسلامی تعلیمات انسان کو نہ صرف روحانی سکون عطا کرتی ہیں بلکہ ایک ایسا منظم اور متوازن طرزِ زندگی بھی فراہم کرتی ہیں جس میں انصاف، مساوات، رحمت، اور عدل جیسی اعلیٰ اقدار نمایاں ہوتی ہیں۔ اسلام کا پیغام ہر دور اور ہر قوم کے لیے ہے، اور اس کا ضابطۂ حیات زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہے۔ یہی ہمہ گیری اور ہمہ جہتی اسلام کو ایک مکمل نظامِ زندگی بناتی ہے۔

اسلام انسان کو نہ صرف روحانی ارتقا کی راہ دکھاتا ہے بلکہ اسے دنیاوی زندگی کے ہر شعبے میں اعلیٰ اخلاقی اقدار اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ دین رحم دلی، مساوات، انصاف، امن اور انسانی حقوق کی مکمل پاسداری کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کے بنیادی اصولوں میں یہ تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے کہ ہر انسان، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اس کی جان، مال اور عزت محفوظ ہونی چاہیے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں کسی فرد یا گروہ کو بلا وجہ ایذا دینا یا اس کے حقوق غصب کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ یہ آفاقی پیغام دنیا کو عدل، رواداری اور باہمی احترام کی بنیاد پر قائم ایک مثالی معاشرہ تشکیل دینے کی دعوت دیتا ہے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام کے جہاں انسانیت پر بے شمار احسانات ہیں وہاں ایک احسان یہ بھی ہے کہ اس کائنات کو امن کا گہوارہ بنایا اور انسانوں کے دلوں میں محبت پیار اور امن و سلامتی کے جذبات کو پروان چڑھایا اور ایک دوسرے کو امن کے ساتھ رہنے کی تلقین فرمائی۔ امن کی فضا کو سازگار رکھنے کی تعلیم دی اور بدامنی کے خاتمے کے لیے تمام تر تدبیریں اور طریقہ کار سکھائے۔ اور ماحول اور معاشرے کو پر سکون بنائے رکھنے اور انسانیت کو راحت اور اطمینان پہنچانے اور امن و سلامتی کا پیغام پھیلانے کی ہدایت سے نوازا۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق اگر کوئی دشمن بھی ہم سے امان طلب کرے تو اسے پناہ دینا ہم پر واجب ہے۔ اور اس کو محفوظ مقام تک پہنچانا بھی ایک شرعی ذمہ داری ہے۔ قران مجید، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور اسلامی تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جہاں دشمنوں کو امان دی گئی تھی اور ان کے ساتھ اس نے سلوک کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ امن کا یہ اصول نہ صرف بین الاقوامی تعلقات کے زمرے میں اہم ہے بلکہ یہ انسانیت کی عزت واحترام اور رواداری کی بھی بہترین مثالیں پیش کرتا ہے۔

اسلام کی تعلیمات کا بنیادی مقصد ایک ایسے معاشرے کو تشکیل دینا ہے جہاں پر ہر فرد خواہ وہ کسی بھی نسل یا مذہب سے تعلق یا قوم سے تعلق رکھتا ہو خود کو محفوظ اور باعزت محسوس کرے۔ اسی مقصد کے تحت ہی اسلام نے امان کا جو تصور پیش کیا ہے وہ دشمن یا غیر مسلم کو بھی محفوظ

اور تحفظ فراہم کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلام نے امان کے جو اصول مقرر کیے ہیں ان کا مقصد جنگ و جدل کی بجائے امن اور باہمی تعلقات کو فروغ دینا ہے۔ اسلام کا تصور امان ہمیں یہ بھی سبق دیتا ہے کہ اختلافات کے باوجود دوسروں کی جان و مال کی حفاظت کی جائے اور ان کا احترام کیا جائے۔ اج کے دور میں یہ جب دنیا عدم برداشت اور تشدد کا شکار ہو چکی ہے اسلام کا یہ پیغام مزید اہمیت اختیار کر گیا ہے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام کے جہاں انسانیت پر بے شمار احسانات ہیں وہاں ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ اس کائنات کو امن کا گہوارہ بنایا اور انسانوں کے دلوں میں محبت پیار اور امن و سلامتی کے جذبات کو پروان چڑھایا اور ایک دوسرے کو امن کے ساتھ رہنے کی تلقین فرمائی۔ امن کی فضا کو سازگار رکھنے کی تعلیم دی اور بدامنی کے خاتمے کے لیے تمام تر تدبیریں اور طریقہ کار سکھائے۔ اور ماحول اور معاشرے کو پر سکون بنائے رکھنے اور انسانیت کو راحت اور اطمینان پہنچانے اور امن و سلامتی کا پیغام پھیلانے کی ہدایت سے نوازا۔

امان کی تعریف:

امان: لغوی، اصطلاحی مفہوم اور اسلامی تعلیمات۔

لغوی معنی:

لفظ "امان" عربی زبان کے مادہ "أ-م-ن" سے ماخوذ ہے، جس کا بنیادی مفہوم ہے: امن، سکون، بے خوفی اور تحفظ۔ لغوی اعتبار سے امان اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان خود کو ہر قسم کے خطرے، خوف یا ضرر سے محفوظ سمجھے۔

اصطلاحی معنی:

اصطلاحِ شریعت میں "امان" ایک ایسا معاہدہ یا ضمانت ہے جس کے تحت کسی فرد، گروہ یا قوم کو جان، مال، عزت، اور آزادی کا تحفظ دیا جاتا ہے، خاص طور پر اگر وہ غیر مسلم یا دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ امان اسلامی ریاست یا کسی مسلمان فرد کی طرف سے دی جا سکتی ہے، اور شریعت میں اسے لازمی اور قابلِ احترام قرار دیا گیا ہے۔

اسلام، جو سراسر رحمت اور عدل کا دین ہے، دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف و رحم کا برتاؤ سکھاتا ہے۔ اگر کوئی دشمن یا غیر مسلم امان طلب کرے، تو اسلام اُس کی جان و مال کے تحفظ کو واجب قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

> " اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اُسے پناہ دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اُسے اُس کی محفوظ جگہ تک پہنچا دو۔ "[1]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

> "جس نے کسی معاہد (غیر مسلم) کو اذیت دی، اُس نے گویا مجھے اذیت دی، اور جس نے مجھے اذیت دی، اُس نے اللہ کو اذیت دی۔ "[2]

یہ تعلیمات اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلام میں "امان" محض قانونی دستاویز نہیں بلکہ ایک اخلاقی فریضہ بھی ہے، جس کا مقصد انسانی جان،

عزت اور وقار کا تحفظ ہے— قطع نظر اس کے کہ فرد مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

امان عربی زبان کا لفظ ہے جو حفاظت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی شریعت میں امان ایک ایسا معاہدہ ہوتا ہے جس کے ذریعے کسی بھی گروہ کو جان، مال، عزت اور آزادی کے تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے۔ خاص طور پر دشمن یا کسی غیر مسلم کو۔

لسان العرب میں امان کی تعریف کچھ یوں بیان کی گئی ہے:

الأمان هو ما يتقي به العبد من الضرر، أو هو الامن من العدو، وطلب الأمان هو طلب النجاة والسلامة[3]

"امان وہ چیز ہے جس سے بندہ نقصان سے بچتا ہے، یا دشمن سے امن کی حالت ہے، اور امان طلب کرنا نجات اور سلامتی کی طلب ہے۔"

فقہی اور شرعی حیثیت سے کتاب بدائع الصنائع میں امان کی تعریف کچھ یوں بیان کی گئی ہے:

"امان اس اجازت کو کہتے ہیں جو مسلمان کسی غیر مسلم (کافر حربی) کو دے کہ وہ مسلمانوں کی سرزمین میں داخل ہو یا مسلمانوں کے درمیان کچھ مدت کے لیے امن کے ساتھ رہے، بغیر کسی جانی یا مالی نقصان کے خوف کے۔"[4]

امان کی اقسام:

امان کی اقسام: فقہی تقسیم اور اسلامی اصولوں کی روشنی میں:

اسلامی فقہ میں "امان" کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے، تاکہ مختلف حالات میں افراد اور اقوام کو دی جانے والی پناہ یا تحفظ کی نوعیت کو واضح کیا جا سکے۔ ان اقسام کا مقصد بین الاقوامی تعلقات، بین المذاہب بقائے باہمی، اور انسانیت کی بقا کے لیے ایک واضح قانونی و اخلاقی خاکہ مہیا کرنا ہے۔

1. عام امان

یہ وہ امان ہے جو کسی گروہ یا قوم کو اجتماعی طور پر دی جائے، جیسے اسلامی ریاست کی طرف سے کسی غیر مسلم وفد یا قوم کے ساتھ کیا گیا امن معاہدہ۔ اس امان کی بنیاد باہمی رضامندی اور اعتماد پر ہوتی ہے، اور اس کی خلاف ورزی اسلامی تعلیمات میں شدید مذمت کے زمرے میں آتی ہے۔

2. خاص امان

یہ امان کسی انفرادی شخص یا محدود گروہ کو دی جاتی ہے، مثلاً اگر کوئی مسلمان فرد کسی غیر مسلم کو ذاتی طور پر پناہ دیتا ہے تو وہ امان اسلامی قانون کے تحت قابل قبول اور واجب الاحترام ہوتی ہے، بشرطیکہ ریاست اس کی مخالفت نہ کرے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مسلمانوں کا خون برابر ہے، اور ان کا امان دینے والا بھی اُن میں سے ایک ہے، چنانچہ جو ادنیٰ

مسلمان کسی کو امان دے، سب کو اس کا احترام کرنا ہوگا۔"[5]

3. امانِ حربی (جنگ کے دوران دی جانے والی پناہ)

اگر کسی جنگی دشمن نے میدانِ جنگ یا اس سے قبل امان طلب کی، تو اسلامی تعلیمات اُس کی جان و مال کی مکمل حفاظت کا حکم دیتی ہیں۔ قرآن کریم میں واضح طور پر ارشاد ہے:

" پھر اُسے اُس کی محفوظ جگہ تک پہنچا دو۔"[6]

یہ ہدایت صرف عارضی تحفظ نہیں بلکہ ایک وسیع تر انسانی ہمدردی اور اخلاقی بلندی کی غماز ہے۔

4. امانِ ذمی (اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو دی گئی امان)

اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم شہری، جنہیں "اہلِ ذمہ" کہا جاتا ہے، اُنہیں ایک مستقل امان حاصل ہوتی ہے۔ اُن کے مذہبی، سماجی اور مالی حقوق شریعت کی روشنی میں محفوظ تصور کیے جاتے ہیں۔ خلیفہ راشد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

" میں اہلِ ذمہ کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی وصیت پر عمل پیرا ہوں۔"[7]

امانِ معاہدہ

یہ وہ امان ہوتی ہے جو دو ریاستوں یا گروہوں کے مابین باضابطہ معاہدے کے تحت دی جائے، جیسے صلح حدیبیہ کا معاہدہ، جو فریقین کے مابین جنگ بندی اور بقائے امن کے لیے کیا گیا۔ ایسے معاہدات قرآن و سنت میں مستحکم اخلاقی اصولوں پر مبنی ہوتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں "امان" کا تصور:

زمانہ جاہلیت اسلام سے پہلے کا وہ دور ہے جو عرب میں پھیلے ہوئے قبائلی نظام، جہالت ظلم و ستم اور غیر منظم اقتدار کا حامل تھا۔ تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت معاشرے میں امان کا تصور تو موجود تھا مگر غیر منصفانہ اور قبائلی مفادات سے جڑا ہوا تھا۔

ذیل میں زمانہ جاہلیت میں امان کے تصور کی وضاحت موجود ہے۔

قبل از اسلام عرب معاشرہ ایک قبائلی، غیر منظم اور خاندانی اقتدار پر مبنی معاشرہ تھا، جہاں افراد کی زندگی، عزت اور مال کسی ریاستی ضابطے کے تحت محفوظ نہ تھے۔ تاہم، اس بے سمتی اور انتشار کے ماحول میں بعض اخلاقی و سماجی تصورات ایسے بھی موجود تھے جو انسانی فطرت کی گہرائیوں سے جنم لیتے تھے۔ انہی میں سے ایک تصور "امان" کا تھا، جو اگرچہ غیر قانونی اور غیر ضابطہ بند صورت میں رائج تھا، مگر معاشرتی بقا اور قبائلی غیرت سے گہرے ربط کا حامل تھا۔

"امان" کا جاہلی تصور خالصتاً عدل یا مساوات کے اصولوں پر قائم نہیں تھا بلکہ اس کی بنیاد طاقت، اثر و رسوخ اور خاندانی حیثیت پر تھی۔ عرب معاشرت میں اگر کسی فرد کو قبیلے کے سردار یا کسی بااثر شخص کی پناہ حاصل ہو جاتی تو وہ فرد قتل و غارت سے محفوظ ہو جاتا، خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اگر کسی کمزور یا غلام کو اسی نوعیت کی پناہ درکار ہوتی تو اُسے امان ملنا تقریباً ناممکن ہوتا۔

ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ :

"دورِ جاہلیت کا تصورِ امان شخصی طاقت اور قبائلی غیرت پر مبنی تھا، نہ کہ کسی اخلاقی ضابطے یا آفاقی اصول پر۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا اطلاق عام افراد پر نہیں بلکہ مخصوص تعلقات و حیثیات رکھنے والوں تک محدود تھا۔"[8]

امان کا یہ غیر مساوی تصور نہ صرف سماجی ناہمواری کو بڑھاتا تھا بلکہ طاقتور قبائل کو کمزوروں پر غلبہ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بھی فراہم کرتا تھا۔ تاہم، یہ حقیقت بھی تسلیم کرنا ہوگی کہ یہی تصور بعد میں اسلامی تعلیمات کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے، جسے نبی کریم ﷺ نے عدل، مساوات اور رحمت کے اصولوں کے تحت ضابطہ بند کر دیا۔

دورِ جاہلیت میں امان کی اقسام اور ان کے عملی مظاہر:

قبائلی امان وہ تھی جو کسی قبیلے کے سردار یا پورے قبیلے کی طرف سے کسی فرد یا قافلے کو دی جاتی تھی۔ اس کی بنیاد قبیلے کی اجتماعی غیرت اور خود مختاری پر ہوتی تھی۔ اگر کوئی دشمن بھی قبیلے کی سرحد میں داخل ہو کر امان مانگ لیتا تو قبیلے کو اس کی جان و مال کی حفاظت کرنی پڑتی۔

واقعہ: نبی کریم ﷺ کو مکہ میں شدید مخالفت کا سامنا تھا۔ ان کے چچا ابو طالب نے، باوجود اسلام نہ لانے کے، اپنی قبائلی حیثیت سے آپ کو مکمل تحفظ فراہم کیا۔ اس کا اثر یہ تھا کہ قریش اپنی شدید مخالفت کے باوجود نبی ﷺ کی جان کو اُس وقت تک نقصان نہ پہنچا سکے جب تک ابو طالب زندہ رہے۔ یہ قبائلی امان در حقیقت قبیلہ بنو ہاشم کی غیرت و حمیت کی علامت تھی۔

نبی کریم ﷺ کو مکہ میں شدید مخالفت کا سامنا تھا۔ ان کے چچا ابو طالب نے، باوجود اسلام نہ لانے کے، اپنی قبائلی حیثیت کو استعمال کرتے ہوئے بنو ہاشم کے اجتماعی طور پر اعلان کروایا کہ :

"محمد ہمارے قبیلے کے فرد ہیں، جو ان پر ہاتھ ڈالے گا، گویا وہ بنو ہاشم پر حملہ کرے گا۔"[9]

یہ اعلان قریش کے لیے ایک مضبوط پیغام تھا کہ وہ نبی ﷺ کی جان کو اُس وقت تک نقصان نہ پہنچا سکے جب تک ابو طالب زندہ رہے۔[10]

فردی امان وہ تھی جو کوئی بااثر شخص اپنے ذاتی اختیار سے کسی فرد کو دیتا۔ قبیلہ اس کے حکم کی پابندی کرتا، کیونکہ عرب معاشرہ شخصیات پر استوار تھا۔

واقعہ: فتح مکہ کے دن امّ ہانی رضی اللہ عنہا نے ایک مشرک کو امان دی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جسے تم نے امان دی، ہم نے بھی اسے امان دی۔"[11]

یہ حدیث اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ جاہلی دور میں بھی فردی امان کو اہمیت دی جاتی تھی، اور اسلام نے اسے منظم کر کے قانونی شکل دی۔

مہمان نوازی عرب معاشرے کا نمایاں وصف تھا۔ اگر کوئی شخص دشمن ہو کر بھی کسی کے خیمے میں بطور مہمان داخل ہو جاتا، تو اسے عموماً پناہ دے دی جاتی، اور اس کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچایا جاتا۔

واقعہ:

حاتم طائی، دورِ جاہلیت کا مشہور عرب سردار، اپنے زمانے میں سخاوت، مہمان نوازی اور اعلیٰ اخلاق کے سبب غیر مسلم عربوں کے نزدیک بھی ایک مثالی شخصیت مانا جاتا تھا۔ مؤرخین کے مطابق ایک موقع پر دشمن قبیلے سے تعلق رکھنے والا ایک شخص رات کے وقت زخمی حالت میں حاتم کے خیمے کے قریب آ پہنچا۔ اس نے دشمن ہونے کے باوجود صرف "جار" (یعنی مہمان) ہونے کی بنیاد پر پناہ طلب کی۔

حاتم نے نہ صرف اسے فوری پناہ دی بلکہ اپنی نگرانی میں اس کا علاج کروایا، کھانا فراہم کیا، اور اگلی صبح اسے بحفاظت اس کی حدود میں چھوڑ آیا۔ یہ واقعہ اس وقت کے قبائلی نظام میں مہمان نوازی کے تصور اور "امان" کے اخلاقی پہلو کو واضح کرتا ہے۔

> "عرب جاہلیت میں دشمن قبیلے کا فرد بھی اگر کسی بااثر شخص یا قبیلے کے پاس مہمان بن کر آ جائے تو اسے قتل کرنا نہایت شرمناک فعل سمجھا جاتا تھا۔ مہمان کی عزت اور جان کی حفاظت کو شخصی غیرت اور قبائلی وقار کا مسئلہ بنایا جاتا تھا۔"[12]

یہ وہ امان تھی جو باہمی معاہدے یا قبائلی اتحاد کے ذریعے دی جاتی تھی۔ اس کا مقصد انصاف کی بحالی، مظلوموں کی مدد اور معاشرتی امن تھا۔

واقعہ: مکہ میں قریش کے چند قبائل نے حلف الفضول کے معاہدے پر دستخط کیے، جس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی مظلوم، خواہ وہ کسی بھی قوم یا قبیلے سے ہو، اس کی مدد کی جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے بعد میں فرمایا:

> "میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں حلف الفضول میں شامل ہوا۔ اگر آج بھی ایسا معاہدہ ہوتا تو میں اس میں شامل ہوتا۔"[13]

یہ معاہدہ دورِ جاہلیت کے سماجی شعور کی ایک نادر مثال ہے، جس کی توثیق نبی ﷺ نے خود کی۔

قبل از اسلام عرب معاشرہ اگرچہ بظاہر انتشار، قبائلی عصبیت اور قانون گریزی کا شکار تھا، تاہم اس کے تہذیبی خد و خال میں بعض ایسے فطری واخلاقی رجحانات پنہاں تھے جو بعد میں اسلامی شریعت کی اخلاقی عمارت کی بنیاد بنے۔ انہی میں سے ایک "امان" کا تصور تھا—ایسا غیر رسمی مگر مؤثر سماجی معاہدہ، جو طاقت، اثر، اور خاندانی شرف پر قائم تھا۔ قبائلی امان، جس کی بہترین مثال ابو طالب کی جانب سے نبی کریم ﷺ کو دی گئی پناہ ہے، خالصتاً قبیلے کی غیرت و عزت کی علامت تھی، جس نے آپ ﷺ کی زندگی کو قریش کے شر سے محفوظ رکھا۔ فردی امان کا مظہر امّ ہانی رضی اللہ عنہا کی جانب سے مشرک کو پناہ دینے کا وہ تاریخی واقعہ ہے جسے نبی ﷺ نے عزت و توقیر عطا کی، گویا جاہلی عرف اسلام کے اصول بن گئے۔ اسی طرح مہمان نوازی، جو عرب تہذیب میں غیر متنازعہ قدر سمجھی جاتی تھی، حاتم طائی جیسے سرداروں کے کردار سے جڑی ہوئی تھی، جنہوں نے دشمنوں تک کو اپنے خیمے کی چھاؤں میں پناہ دے کر امانت داری اور تہذیبی بلندی کا نمونہ قائم کیا۔ اجتماعی امان کی نایاب مثال حلف الفضول کی صورت میں سامنے آئی، جو عدل و انصاف کی خاطر قائم کیا گیا قبائلی معاہدہ تھا، اور جس کی تائید خود رسول اکرم ﷺ نے بھی کی۔ یہ تمام مظاہر اس امر کی دلیل ہیں کہ جاہلی معاشرہ محض تاریکی کا نمونہ نہ تھا بلکہ اس میں ایسے اخلاقی اصول موجود تھے جنہیں اسلامی

تعلیمات نے نہ صرف زندہ رکھا بلکہ انہیں آفاقی ضابطوں میں ڈھال کر انسانیت کے لیے ابدی روشنی بنا دیا۔

قبائلی بنیاد پر امان:

امان دینے کا اختیار صرف قبیلے کے سردار کے پاس ہوتا تھا یا کسی طاقتور افراد کو حاصل تھا۔ اگر کوئی فرد کسی طاقتور قبیلے سے تعلق رکھتا تھا یا کسی طاقتور فرد کی پناہ میں آتا تھا، تو اسے امان حاصل ہو جاتی تھی۔ لیکن اگر کوئی کمزور یا غلام ہوتا تو اسے امان ملنا مشکل ہوتا تھا۔

فردی امان:

کبھی کبھار اگر کوئی بااثر شخص کسی دشمن کو یا کسی اجنبی کو امان دے دیتا تو پورے قبیلے کو اس امان کا احترام کرنا پڑتا تھا۔ یہ امان ایک قسم کا ذاتی معاہدہ ہوتا تھا جس کی بنیاد پر اس فرد کو کچھ وقت کے لیے تحفظ حاصل ہوتا تھا۔

مہمان کو امان:

اسی تہذیبی سیاق میں "مہمان کو امان دینا" بھی ایک جزوی روایت تھی، جو مہمان نوازی کے محدود مفہوم تک رہتی۔ مگر ان تمام صورتوں میں امان کا تصور غیر مساوی، مخصوص طبقات تک محدود اور مکمل عدل سے خالی تھا۔

ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی نے اپنی تصنیف عربی تہذیب و تمدن میں قبل از اسلام عرب معاشرے کے اس تضاد کو نہایت باریک بینی سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "زمانہ جاہلیت کا معاشرہ قوتِ بازو پر یقین رکھتا تھا، جس میں امن صرف طاقتور کو میسر تھا، کمزور کے لیے نہ کوئی پناہ تھی نہ شنوائی۔"[14]

مزید وہ فرماتے ہیں:

> "اسلام نے امان کو فرد کا حق قرار دے کر اسے شریعت کا جزء لازم بنا دیا، اور یوں عرب کے غیر منصفانہ نظام کو عدل کی راہ پر گامزن کیا۔"[15]

یقیناً اسلامی تصورِ امان، زمانہ جاہلیت کے مفاداتی نظام کے بالمقابل ایک جامع اور ہمہ گیر اصلاح ہے، جو انسان کی بنیادی قدر امن کو آفاقی سطح پر مستحکم کرتا ہے۔

اسلام میں "امان" صرف ایک قانونی اصطلاح نہیں بلکہ ایک ایسا اخلاقی اصول ہے جو انسانی معاشرت کی بنیادوں کو تحفظ، عزت اور عدل عطا کرتا ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں امان کا تصور ایک آفاقی پیغام بن کر سامنے آتا ہے جو مذہب، نسل یا قوم کی تفریق کے بغیر ہر انسان کو حقِ حفاظت فراہم کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو کسی کو امان دے، اُسے چاہیے کہ اپنی امانت کو پورا کرے، گویا امان دینا محض زبان سے نہیں بلکہ دل سے نبھانے کا نام ہے۔ اسلامی ریاست میں امان کسی خاص طبقے یا قوم کا استحقاق نہیں بلکہ ایک ایسا مہذب ضابطہ ہے جس کے تحت دشمن کو بھی پناہ، عدل، اور موقعِ فہم عطا کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ کفار و مشرکین کو بھی

امن کی ضمانت دی، یہاں تک کہ انہیں ان کے محفوظ مقام تک پہنچانے کا حکم فرمایا۔ یہ تعلیمات اسلام کو صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ مکمل ضابطۂ حیات بناتی ہیں، جہاں امن، احترامِ انسانیت اور عدل مرکزی اقدار کے طور پر قائم ہیں۔

امان دینے کی اہمیت:

اسلامی تعلیمات میں "امان" ایک ایسا عظیم اصول ہے جو صرف شخصی بھلائی تک محدود نہیں بلکہ پورے معاشرے کی فکری، اخلاقی اور سماجی بنیادوں کو محفوظ بنانے کا ضامن ہے۔ امان کا تعلق صرف ایک معاہدے یا وقتی پناہ سے نہیں، بلکہ یہ انسان کی جان، مال، عزت اور مذہبی آزادی کے غیر مشروط تحفظ سے ہے۔ قرآن مجید نے جہاں حقوق العباد کی وضاحت کی، وہیں امان کو عدل، رحم، اور انسانیت کے دائرے میں مرکزی مقام عطا کیا۔ حالتِ جنگ میں بھی اسلام دشمن کو پناہ دینے، اس سے مکالمہ کرنے، اور اُسے محفوظ مقام تک پہنچانے کا حکم دیتا ہے، جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ارشاد ہے:

"ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ"

"پھر اُسے اُس کی محفوظ جگہ تک پہنچا دو"[16]

امان کا یہ تصور محض فقہی قاعدہ نہیں بلکہ ایک ایسی اخلاقی قدر ہے جو اسلامی معاشرت کو دنیا میں امن و عدل کی عملی مثال بناتی ہے۔ جو قومیں امان کو بنیاد بناتی ہیں، وہی تاریخ میں عدل، استحکام اور اعتماد کی علامت بنتی ہیں۔

حضرت ابو عزیز (قریش کے ایک قیدی) بیان کرتے ہیں:

"جب ہم (بدر کے قیدی) انصار کے گھروں میں قید تھے تو وہ ہمیں خود سے بہتر کھانا کھلاتے، جیسے کہ روٹی یا کھجور"[17]

حضرت ابو عزیز جو کہ قریش کے قیدی تھے، بیان کرتے ہیں کہ جب بدر کے قیدی انصار کے گھروں میں تھے اور وہ قید تھے تو انصار نے نہ صرف انہیں معمولی کھانا دیا بلکہ اپنے ساتھ بہتر کھانے میں ان سے بڑھ کر پیشکش کی۔ یہ امان کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ اس مثال سے اسلام میں امان کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَمَّنَ أَحَدًا عَلَى نَفْسِهِ فَلْيُؤَدِّ الأَمَانَةَ إِلَيْهِ[18]

"جو کوئی کسی کو اپنی جان کی حفاظت کی ضمانت دے، اسے چاہیے کہ وہ اپنی امانت کو پورا کرے"

اس حدیث میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنی جان کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے تو یہ ایک مقدس امانت ہے اسے پورا کرنا فرض ہے۔ امن صرف زبانی کہ دنیای وقتی طور پر بچا لینے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ مکمل وفاداری اور دیانتداری کا تقاضا کیا جاتا ہے۔ امان دینے والا اس پر امانت دار ہوتا ہے اور اسے چاہیے کہ وہ ہر طرح کے خیانت سے بچے، جس نے امان حاصل کی ہے اس کی جان و مال کی حفاظت کرے۔

یہ حدیثِ مبارکہ امانت، وعدہ، اور انسانی جان کے تحفظ سے متعلق اسلامی تعلیمات کا نچوڑ پیش کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس فرمان میں فردِ مؤمن کو ایک ایسی ذمہ داری کا پابند قرار دیا ہے جو نہ صرف اخلاقی ہے بلکہ شرعی لحاظ سے بھی لازم الاتباع ہے۔ یہاں "أَمَّنَ" کا مطلب ہے کسی کو پناہ دینا یا تحفظ کی ضمانت دینا، اور "فَلْيُؤَدِّ الأَمَانَةَ" کا مطلب ہے اس وعدے کو مکمل طور پر نبھانا، جیسا کہ حق ادا کرنے کا تقاضا ہوتا ہے۔ ائمہ حدیث و شراح کے مطابق، اس فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی کو امان دے، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، تو اسے اس امانت (تحفظ کی ضمانت) کو مکمل وفاداری، صداقت اور عدل کے ساتھ پورا کرنا ہوگا۔ امام نوویؒ نے اس طرح کی احادیث کی روشنی میں لکھا ہے کہ:

" امان دینا ایک شرعی اور اخلاقی فریضہ ہے، اور اگر اسے پورا نہ کیا جائے تو یہ خیانت اور ظلم کے زمرے میں آتا ہے۔"[19]

یہ حدیث اسلامی معاشرت میں اعتماد، امن، اور عدل کے اس اصول کو مضبوط کرتی ہے جس کی بنیاد پر افراد، اقوام اور مذاہب کے درمیان تعلقات قائم کیے جاتے ہیں۔ دشمن کو بھی اگر امان دی گئی ہو، تو اُس کی جان کی حفاظت کرنا ایک شرعی ذمہ داری ہے جس کی خلاف ورزی نبی کریم ﷺ کے فرمان کے خلاف تصور ہوگی۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

مَن أَمَّنَ نَاسًا عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَلْيُوفِ بِالأَمَانَةِ[20]

"جو شخص لوگوں کو ان کے مَال اور جَان کی حفاظت کی ضمانت دے، اسے چاہیے کہ وہ امانت داری کے ساتھ اس ذمہ داری کو پورا کرے۔"

یہ حدیثِ مبارکہ اسلامی معاشرت اور حکومتی نظم و نسق کے بنیادی اصولوں میں سے ایک نہایت اہم اصول کی وضاحت کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے واضح فرمایا کہ جو شخص دوسروں سے جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کرے، اُس پر لازم ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو پوری دیانت، صداقت اور عدل کے ساتھ نبھائے۔ اس میں خواہ فرد کی حیثیت عام شہری کی ہو، ریاستی نمائندے کی، یا کسی منصبِ قیادت پر فائز ہو—— امانت داری کا تقاضا ہر ایک پر یکساں لاگو ہوتا ہے۔

ائمہ شریعت اس حدیث کو "حقوق العباد" کے باب میں بڑی اہمیت دیتے ہیں، کیونکہ یہاں "أموالھم" (ان کے مال) اور "أنفسھم" (ان کی جانوں) کا ذکر کیا گیا ہے، جو شریعت میں انسانی حقوق کا بنیادی حصہ ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

" یہ حدیث صرف فردی دیانت داری ہی نہیں بلکہ ریاستی ذمہ داریوں میں بھی امانت کے اصول کی تاکید کرتی ہے۔ جو بھی امن یا حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے، وہ دراصل اللہ اور بندوں کے درمیان عہد باندھتا ہے۔"[21]

یہ حدیث آج کے دور میں بھی پوری معنویت کے ساتھ لاگو ہوتی ہے، جہاں ریاستیں، افسران، ادارے اور حتیٰ کہ انفرادی سطح پر بھی امانت کا

تقاضا ایک اخلاقی و شرعی فریضہ ہے۔جو شخص اس امانت میں خیانت کرتا ہے،وہ صرف دنیاوی قانون کا مجرم نہیں بلکہ شریعت کے اصولوں کی بھی صریح خلاف ورزی کرتا ہے۔

اسلام میں امان دینے کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔جب امان دیا جاتا ہے اس کے متعلق امان دینے والے کی جو ذمہ داریاں ہوتی ہیں وہ ہمیں حدیث کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔ذمہ داریوں کا تو تقاضا بعد میں کیا جاتا ہے مگر امان دینے کو اس سے پہلے فضیلت حاصل ہے۔امان دینا صرف ایک رسمی اعلان نہیں ہے بلکہ ایک مقدس وعدہ ہے۔اوپر بیان کردہ حدیث بھی وہی مفہوم پیش کر رہی ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ امانت داری کا تقاضا ہے کہ نہ صرف جان بلکہ مال کی بھی مکمل حفاظت کی جائے۔تاکہ غیر مسلموں کو بھی ان کے حقوق مل سکیں اور معاشرے میں اعتماد قائم رہے اور لوگ ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں۔

قرآن مجید میں امان کا تصور:

قران مجید میں متعدد مقامات پر "امان "یعنی پناہ دینا امن یا دشمن کو تحفظ دینے کا ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی آیت میں ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ٱسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُۥ﴾[22]

"اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کے امن کی جگہ تک پہنچا دو۔"

یہ آیت اسلام میں امان کے تصور کے بارے میں بیان کی جارہی ہے۔اس میں اللہ تعالی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ اگر مشرکین میں سے کوئی آ کر تم سے پناہ مانگے تو آپ اسے پناہ دیں،تاکہ وہ اللہ تعالی کا کلام سن لے اور پھر اگر وہ اسلام قبول نہ کر سکے تب بھی اسے محفوظ طریقے سے اس کی جائے امن تک پہنچا دیا جائے۔اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ تعلیم صرف حفاظت کا وعدہ نہیں بلکہ عملی طور پر بھی اس کی تکمیل کی ذمہ داری بھی دیتی ہے۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام دشمنوں کے ساتھ بھی رحم دلی، نرمی اور عدل کا معاملہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

سورۃالتوبہ کی اس آیت پر ابن کثیر فرماتے ہیں:

" یہ آیت اسلام کے عدل، رحم، اور شفقت کا مظہر ہے کہ اگر کوئی دشمن پناہ مانگے تو اُسے صرف امان ہی نہیں بلکہ علمِ دین سنانے کا موقع بھی دیا جائے اور پھر اسے امن کے ساتھ واپس اس کے مقام تک پہنچایا جائے "[23]

اللہ تعالی کی طرف سے ملنے والا سکون قلب بھی ایک قسم کی امان (تحفظ) ہے۔قرآن نے اسے أَمَنَةً مِّنْهُ یعنی اللہ کی طرف سے ایک امان کہا ہے۔قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَنَزَلَ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ﴾[24]

"جب اس نے تم پر اونگھ طاری کر دی، اپنی طرف سے امانت (سکون) کے طور پر"

یہ آیت غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب مسلمان کم تعداد میں تھے اور دشمن کے شدید خوف میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالی نے ان پر اونگھ طاری کر دی تاکہ ان کے دلوں میں امن، سکون اور اطمینان پیدا ہو جائے۔ اسلام میں امان دشمن سے پناہ یا اس کے جان و مال کی حفاظت تک محدود نہیں بلکہ اس میں دل کا اطمینان، خوف کا خاتمہ اور ذہنی سکون بھی شامل ہے۔

سورۃ التوبہ، آیت 6 کی تفسیر — ضیاء القرآن کی روشنی میں:

"اگر کوئی مشرک تم سے پناہ طلب کرے تو اس کو پناہ دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کے محفوظ مقام تک پہنچا دو۔"[25]

اسلام کے اخلاقی نظام کی رفعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ حالتِ جنگ میں بھی دشمن کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ اگرچہ مشرکین جنگ میں مسلمانوں کے مقابل کھڑے ہوں، لیکن ان میں سے کوئی شخص جنگی میدان سے بھاگ کر یا کسی اور ذریعے سے مسلمانوں کی پناہ مانگے تو اسے رد نہ کرو، بلکہ اُسے پورا موقع دو کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، اسلام کو سمجھے، دلائل پر غور کرے، اور اگر قبول کرنا چاہے تو کرے، ورنہ اُسے واپس اُس کے امن والے مقام تک پہنچا دو۔ اس آیت سے اسلام کے اعلیٰ ترین اصولوں کا پتہ چلتا ہے کہ وہ جنگ میں بھی اخلاق کو فراموش نہیں کرتا۔

پیر کرم شاہ الازہریؒ "ضیاء القرآن" میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت اسلامی رواداری، اخلاقی بلندی، اور بین المذاہب امن کی ایک روشن مثال ہے۔ اسلام دشمنوں کے ساتھ بھی محض جنگ و جدال کی بنیاد پر تعلقات نہیں رکھتا بلکہ اُن کے لیے بھی عدل، رحم اور ہمدردی کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر کوئی مشرک، جنگی حالات میں بھی، مسلمانوں سے پناہ مانگے تو شریعت یہ نہیں کہتی کہ چونکہ وہ دشمن ہے اس لیے قتل کر دو — بلکہ حکم یہ دیا گیا کہ اُسے نہ صرف پناہ دی جائے بلکہ اُسے موقع دیا جائے کہ وہ قرآن کا پیغام سن سکے۔

"ضیاء القرآن" کے مطابق، "فَأَجِرْهُ" یعنی اُسے امان دو، ایک اخلاقی اور شرعی ذمے داری ہے، جو مسلمانوں پر لازم ہے، اور "حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ" سے مراد ہے کہ اُسے تبلیغ کا موقع دو تاکہ وہ اسلام کی اصل حقیقت کو بغیر تعصب کے سمجھ سکے۔ پھر "ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ" کا حکم یہ تقاضا کرتا ہے کہ صرف زبانی امان کافی نہیں، بلکہ عملاً اُسے اُس کے محفوظ مقام تک پہنچانا بھی ضروری ہے، خواہ وہ اسلام قبول کرے یا نہ کرے۔"[26]

پیر کرم شاہؒ مزید لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام میں "امان" صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ ہر انسان کے لیے ہے — اور اس پر عمل پیرا ہونا اسلامی معاشرے کو ایک مہذب، منصف اور پرامن معاشرہ بناتا ہے۔

یہ آیت روحانی امان کا ذکر کرتی ہے جو اللہ تعالی صرف اپنے مخلص بندوں کو دیتا ہے۔ خاص طور پر وہ لوگ جو حق کے راستے میں خوف اور خطرات سے دوچار ہوں۔

﴿فَلْيَعْبُدُوا۟ رَبَّ هَٰذَا ٱلْبَيْتِ ٱلَّذِىٓ أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍۢ وَءَامَنَهُم مِّنْ خَوْفٍۭ﴾[27]

"پس انہیں چاہیے کہ اس گھر (کعبہ) کے رب کی عبادت کریں، جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور خوف میں امن عطا فرمایا۔"

اس آیت میں بھی امان کو اللہ تعالی کی ایک نعمت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اللہ تعالی نے قریش کو مادی ضرورت (کھانا) اور جذباتی و معاشرتی ضرورت (امن) دونوں عطا کی۔ قرآن کا یہ پیغام آج کے معاشرے کے لیے بھی قابل فکر اور قابل غور ہے۔ کہ جہاں امن ہو گا وہیں عبادتیں، ترقی اور خوشحالی قائم ہو سکتی ہے۔ جہاں اللہ نے قریش کو امان دیا وہاں اب بھی موجودہ دور میں ہر ایک شخص کو امان دینا مسلمانوں کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

وَءَامَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ"کی تفسیر:

ضیاء القرآن کے مطابق:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ[28]

"پس چاہیے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ کعبہ کے رب کی ہے جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی اور امن عطا فرمایا انہیں رفتہ وہ خوف سے تھے"

جب اللہ تعالیٰ نے ان کی رزق رسانی کا ایسا باعزت انتظام فرمادیا ہے تو انہیں چاہیے کہ اب اسی ذات کی عبادت کریں جو اس کعبہ کا مالک ہے، جس نے ابھی چند سال پہلے ابرہہ کی یلغار سے اس کی حفاظت کی اور حملہ آوروں کو ایسی عبرت ناک سزا دی کہ اب آئندہ کوئی ایسی جرات نہ کر سکے گا۔[29]

یہاں من بمعنی بند ہے یعنی کافی عرصہ ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ رہی، بار بافاقہ کشی کی نوبت بھی آجاتی لیکن اس نے اپنی حکمت سے ان کے دلوں میں کاروبار کی رغبت پیدا کر کے ان کو خوشحال بنادیا۔

جزیرہ عرب میں ہر طرف بدامنی کے شعلے بھڑک رہے تھے فتنہ وفسا کی آگ لگی ہوئی تھی۔ عام شاہراہوں پر لوٹ مار کا سلساہ جاری رہتا کسی مسافر کا سلامتی سے واپس گھر پہنچنا ایک معجزہ تصور کی جاتا ہر قبیلہ اپنی جگہ خوفزدہ رہتا شہروں اور دیہات میں بھی ہر وقت قزاقوں کے آدھمکنے کا دھڑ کا لگا رہتا لیکن کعبہ مشرف کی برکت سے یہاں جاتے ان کی عزت کی جاتی۔ ان پر دست درازی کی کسی کو رات نہ ہوتی یہ بھی محض اللہ تعالی کا احسان تھا کہ اس نے لوگوں کے دلوں میں ان کا احترام پیدا کیا تھا اور اس کی محض وجہ یہ تھی کہ یہ اللہ تعالی کے گھر کے خادم ہیں۔

پیر کرم شاہ الازہریؒ نے "ضیاء القرآن" میں ان الفاظ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے قریش کو اُس دور میں امن عطا فرمایا جب پورا عرب قتل وغارت، ڈاکہ زنی، اور قحط و بدامنی کا شکار تھا۔ "وَءَامَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ" درحقیقت ایک عظیم الشان نعمت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ مکہ مکرمہ اور اس کے باشندے بیت اللہ کی خدمت اور حرمتِ حرم کی برکت سے دشمنوں کی سازشوں، قبائلی تنازعات، اور قافلوں پر

حملوں جیسے خطرات سے محفوظ رہے۔

پیر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عرب کے گردونواح میں چھوٹے چھوٹے جھگڑے بھی خانہ جنگی کا سبب بن جاتے تھے، لیکن قریش اس فتنہ وخوف کے ماحول میں بھی عزت، تحفظ اور استحکام کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ یہ امن دراصل اللہ کا خاص انعام تھا جو بیت اللہ کی نسبت اور خدمتِ حرم کے سبب ان کے حصے میں آیا۔اس کے ذریعے قرآن ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ امن نہ صرف ایک سماجی ضرورت ہے بلکہ یہ اللہ کی رحمت ہے،اور جو قوم اس نعمت کی قدر نہیں کرتی، وہ فتنہ وفساد کا شکار ہو جاتی ہے۔

احادیث مبارکہ میں امان کا تصور:

احادیث مبارکہ میں امان یعنی تحفظ یا امن کا تصور بہت اہم اور جامع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و وسلم نے امان کو صرف ایک سماجی یا سیاسی حالات کے طور پر نہیں بلکہ ایک دینی اخلاقی اور روحانی طور پر بھی پیش فرمایا ہے۔ ذیل میں کچھ احادیث کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے جن سے واضح ہوتا ہے کہ امان دینا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے:

ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ[30]

"تمام مسلمانوں کی امان ایک جیسی ہے، اسے ان میں سے کم ترین شخص بھی دے سکتا ہے، اور جو کسی مسلمان کی دی ہوئی امان کو توڑے، اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے"۔

اس حدیث مبارکہ میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام مسلمانوں کی دی گئی امان یکساں حیثیت رکھتی ہے، چاہے وہ کسی عام فرد کی طرف سے ہو یا حاکم کی طرف سے ہو اگر کوئی شخص کسی کو امان دیتا ہے تو دوسرے مسلمانوں پر لازم ہے کہ جس طرح وہ امان لینے والے کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کررہا ہے۔اسی طرح باقی بھی کریں۔ جو شخص اس ایمان کو توڑے گا تو وہ اللہ تعالی، فرشتوں اور تمام مسلمانوں کی طرف سے لعنت کا مستحق بنتا ہے۔ یہ حدیث اسلام میں امن، وعدے کی پاسداری اور ہر مسلمانوں کی طرف سے امان دینے والوں کی سماجی ذمہ داری کو واضح کرتی ہے۔

ایک اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے:

قلت: يا رسول الله زعم ابن أمي أنه قاتل رجلاً قد أجرته، فقال النبي ﷺ: قد أجرنا من أجرت يا أم هانئ[31]

"ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے کہا: میرے بھائی نے کہا ہے کہ وہ اُس شخص کو قتل کرے گا جسے میں نے پناہ دی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اے ام ہانی! جس کو تم نے امان دی، ہم نے بھی اس کو امان دی"

یہ واقعہ فتح مکہ کے دن کا ہے کہ جب حضرت علی ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے تھے جو قریش میں سے تھا اور اس نے اسلام کے خلاف لڑائی کی تھی۔ لیکن حضرت ام ہانی اس شخص کو پناہ دے دینا چاہتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ

شخص مجرم ہے اور اسے قتل کیا جائے گا۔ حضرت ام ہانی نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے عرض کی کہ: اے اللہ کے رسول میرے بھائی علی کہتے ہیں کہ وہ اس شخص کو قتل کریں گے جسے میں نے پناہ دیا ہے تو اس پر نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے جواب فرمایا ہم نے بھی اسے پناہ دی جسے تم نے پناہ دی، اے ام ہانی۔

اس حدیث سے بھی امان دینے کا درس ملتا ہے۔ اور یہ واضح ہوتا ہے کہ امان ایک مقدس ذمہ داری ہے اور اگر کوئی مسلمانیہاں تک کہ ایک عورت کسی کو پناہ دے دے تو پوری امت پر لازم ہے کہ اس امان کا احترام کرے۔

ایک اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے:

من أمن رجلاً على دمه ثم قتله، فأنا بريء من القاتل، وإن كان المقتول كافرا[32]

"جس نے کسی کو امان دی اور پھر اسے قتل کر دیا، میں ایسے قاتل سے بری ہوں، چاہے مقتول کافر ہی کیوں نہ ہو۔"

اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم دشمن کو امان دے دے تو وہ شخص اسلامی تحفظ میں اجاتا ہے اور اسے نقصان پہنچانا یا اسے قتل کرنا شرعا حرام ہو جاتا ہے اگر امان دینے کے بعد کوئی اس شخص کو قتل کرتا ہے تو نہ صرف وہ ایک بڑا گناہ کرتا ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس فعل سے اظہار براءت فرماتے ہیں یعنی وہ شخص نبی کریم کی امت کی اعلیٰ اخلاقی معیار سے باہر ہو جاتا ہے۔

اسلام میں دی گئی پناہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ بغیر مسلموں کے لیے بھی برابر محفوظ اور محترم ہے۔

الْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ[33]

"مومن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنی جان و مال کا تحفظ حاصل ہو۔"

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایمان کے سچے معیار کو واضح فرمایا ہے۔ کہ وہی شخص حقیقی مومن ہے جس کے ہاتھ، زبان اور عمل سے دوسرے لوگ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان ہو اپنی جان اور مال کے حوالے سے محفوظ ہوں۔ ایک مومن نہ کسی کو جانی نقصان پہنچاتا ہے نہ مالی خیانت کرتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو خوف میں مبتلا کرتا ہے۔ ان تمام احادیث سے امان دینے کی دلیل ثابت ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت سے امان کی مثالیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں امان دینے کی متعدد مثالیں موجود ہیں جو نہ صرف انسانیت کے احترام کا درس دیتے ہیں بلکہ اسلام کے اندر عدل، رواداری اور رحم پر مبنی پیغامات کو بھی ظاہر کرتی ہیں۔ یہاں چند اہم مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

1- جب نبی ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی، تو مدینہ کے قبائل خاص طور پر بنی آنس اور بنی خزرج نے مہاجرین کو جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جسے **"میثاق مدینہ"** (مدینہ کا معاہدہ) کہتے ہیں، جس میں مختلف قبائل نے ایک دوسرے کو امان، تحفظ اور بھائی چارے کی ضمانت دی۔ اس معاہدے نے مدینہ میں ایک پائیدار اور پرامن معاشرہ قائم کیا۔[34]

میثاق مدینہ کی مثال امن، رواداری اور باہمی تعاون کے لیے روشن مثال ہے۔اس معاہدے کے ذریعے مختلف قبائلوں اور قوموں کے درمیان امان، جان ومال کے تحفظ اور بھائی چارے کو قانونی اور عملی شکل دی گئی ہے۔

سیرت نبوی کا یہ پہلو آج بھی دنیا کے لیے مثالی نمونہ ہے کہ کس طرح مختلف قوموں کے درمیان پرامن معاشرہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

2-مدینہ میں قبیلہ بنی اوس نے کچھ لوگوں کو دشمنی سے بچانے کے لیے امان دی تھی لیکن ان میں سے کچھ لوگوں نے اس امان کو توڑ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أمن رجلاً على دمه ثم قتله، فأنا بريء من القاتل، وإن كان المقتول كافراً[35]

یعنی جس نے کسی کو امان دیا اور پھر اس کو قتل کیا میں ایسے قتل سے بری ہوں چاہے مقتول کافر ہی کیوں نہ ہو"

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے ایسے شخص سے براءت کا اعلان ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اسلام میں امن وامان کی پامالی ناقابل برداشت جرم ہے خواہ مقتول مسلمان ہو یا کافر ہو۔

3- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو اپنی آزاد شدہ غلامی کے بعد اپنی امان اور حفاظت میں لیا۔[36]

نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت زید کو اپنی آزاد شدہ غلامی کے بعد اپنی امان اور حفاظت میں لے لیا اس بات کی مثال دیتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حفاظت اور الرحمان کسی بھی فرد کو دیا کرتے تھے چاہے وہ غلام ہو یا آزاد مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

4-اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو عام معافی دے دی اور انتقام کی بجائے درگزر کا رویہ اپنایا۔اس موقع پر آپ نے فرمایا:

"آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو"[37]

فتح مکہ کا دن اسلام کی تاریخ کا ایک روشن اور فیصلہ کن دن تھا۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلی اخلاق اور امن وامان کا مظاہرہ کیا۔مکہ کے وہ لوگ جنہوں نے بہت عرصے تک آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابہ کرام کو اذیتیں دیں۔جنگیں کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کیا۔آپ نے ان کے ساتھ اس دن رحم وکرم کا مظاہرہ کیا اور اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ان سے بدلہ لے سکتے تھے لیکن اپ نے فرمایا جاؤ آج تم سب ازاد ہو۔یہ اعلان نہ صرف رحم اور درگزر کی مثال تھی بلکہ اس نے امن وامان کی بنیاد رکھ دی۔

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں، غلاموں، دشمنوں اور مخالفین کو بھی امان تحفظ اور عزت عطا کی۔میثاق مدینہ معاہدے سے لے کر فتح مکہ کی عام معافی تک سیرت نبوی میں بے شمار واقعات ملتے ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ اسلام صرف عبادات کا مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔جو امن وامان انصاف اور باہمی احترام کو بنیاد بناتا ہے۔

خلافت راشدہ میں عدل وامان کی عملی مثالیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عدل وانصاف کی بدولت معاشرتی امن قائم ہوا۔آپ نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا اور غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان تھا:

"جو کوئی بھی مظلوم ہو گا اس کو حق دلایا جائے گا چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم"[38]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت عدل،امان اور بین المذاہب رواداری کی روشن مثال ہے۔آپ نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کو بھی حقوق اور تحفظ فراہم کیا۔ان کا طرز حکمرانی آج کے دور میں بھی عدل وانصاف کا مثالی نمونہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جنگ جمل اور جنگ صفین کے موقع پر فریقین کے درمیان صلح اور امن کی کوشش کی۔جنگ صفین کے دوران انہوں نے مختلف مواقع پر فریقین کو متحد کرنے اور امت کو جنگ سے بچانے کی طرف کوششیں کی۔[39]

صحابہ کرام نے مفتوحہ علاقوں میں رہنے والے غیر مسلموں کو ان کے مذہبی حقوق دیے اور ان کی عبادت گاہوں کو محفوظ رکھا۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس میں عیسائیوں کے ساتھ امن معاہدہ کیا اور انہیں مذہبی ازادی دی۔[40]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم وسرکشی قیامت کے روز بہت سے طریقوں کا سبب ہوگا۔[41]

صحابہ کرام نے اپنی قیادت میں غیر مسلموں کے مذہبی حقوق کا بھرپور تحفظ کیا اور ان کی عبادت گاہوں کی بھی حفاظت کو یقینی بنایا۔یہ تمام اقدامات اسلام کے امان،امن انصاف اور احترام انسانیت کے اصولوں کی زندہ میں مثالیں ہیں۔

اسلام میں امان کی اہمیت کو بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کیونکہ یہ نہ صرف معاشرتی امن وامان کا ضامن ہے بلکہ انسانوں کی بنیادی حقوق کی بھی حفاظت کرتا ہے۔قرآن اور سنت کی روشنی میں امان کی پابندی کو دین کی روح قرار دیا گیا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سختی سے منع کیا گیا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی سے ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ امان دینا اور اسے پورا کرنا ہے۔چاہے امان لینے والا دشمن ہو یا غیر مسلم ہو۔اس سے نہ صرف فرد کی بلکہ پورے معاشرے کی بھلائی ہوتی ہے اور معاشرہ باہم اعتماد رواداری کی بنیاد پر ترقی کرنا شروع کر دیتا ہے اس لیے آج بھی ہمیں اسلام کی تعلیمات کو سمجھ کر امان داری اور اعتماد کی فضا قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ہم پرامن اور منصفانہ معاشرے کی تشکیل کر سکیں۔

حوالاجات

1۔ القرآن، سورۃ التوبہ، آیت 6

2۔ احمد بن حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل، حدیث نمبر 23489، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، جلد 6

3۔ الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، 1414ھ ج2، ص 2001

4۔ امام کاسانی رحمہ اللہ، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 1986، ج7، ص 167

5۔ ابوداؤد، حدیث 2751 جلد 3، القرآن، سورۃ التوبہ، آیت 6

6۔ احمد بن حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل، حدیث نمبر 23489، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، جلد 6

7۔ ابن القیم، أحکام أهل الذمة، قاہرہ: مکتبۃ التوفیقیۃ، جلد 1

8۔ یاسین مظہر صدیقی، عربی تہذیب و تمدن (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2004)، ص 107–112

9۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، جلد 1 (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2000)، ص 174–175

10۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد 1 (بیروت: دار المعرفہ، 1995)، ص 99–100

11۔ ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، حدیث 2765

12۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 3 (بیروت: دار الفکر، 1997)، ص 287

13۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 3 (بیروت: دار صادر، 1985)، ص 174

14۔ یاسین مظہر صدیقی، عربی تہذیب و تمدن (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2004)، ص 113

15۔ ایضاً، ص 117

16۔ القرآن، سورۃ التوبہ، آیت 6

17۔ ابن ہشام، عبد الملک بن هشام، السیرۃ النبویۃ لابن هشام، دار إحیاء التراث العربي، ج1، ص ۴303

18۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب تأمیر الامام الامراء علی البعوث ووصیته إیاهم بآداب الغزو وغیرها، رقم الحدیث 1731

19۔ نووی، یحییٰ بن شرف۔ شرح صحیح مسلم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، جلد 12، ص 147

20۔ الموطأ، کتاب المزارعة، باب في الأمانة علی الأموال والأنفس، رقم الحدیث 1763 امام مالک، ٦

21۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری، بیروت: دار المعرفۃ، جلد 5، ص 285

22۔ التوبہ: 6-7

23۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ السلام، لاہور، سورۃ التوبہ: ٦٨

24۔ سورۃ الأنفال: ١١٩

25۔ سورۃ التوبہ، آیت 6

26۔ ضیاء، پیر محمد کرم شاہ۔ ضیاء القرآن، جلد 2، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 2003، ص 181

27۔ سورۃ قریش:3،4

28۔ سورۃ قریش:3،4

29۔ ضیاء، پیر محمد کرم شاہ۔ ضیاء القرآن، جلد5، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 2003، ص، 671

30۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب ذمۃ المسلمین وجوارھم واحدۃ یسعی بھا ادناھم، رقم الحدیث 3172

31۔ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب ماجاء في زعموا، رقم الحدیث 6158

32۔ النسائی، احمد بن شعیب، سنن النسائی، کتاب الحدود، باب ماجاء في قتل المأمون علیہ، رقم الحدیث 4747

33۔ النسائی، سنن النسائی، کتاب الإیمان، باب المؤمن من أمنہ الناس علی دمائھم وأموالھم، رقم الحدیث 4995

34۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب ذمۃ المسلمین وجوارھم واحدۃ یسعی بھا ادناھم، رقم الحدیث 3172

35۔ النسائی، احمد بن شعیب، سنن النسائی، کتاب الحدود، باب ماجاء في قتل المأمون علیہ، رقم الحدیث 4747

36۔ ابن ہشام، محمد بن ہشام، سیرت ابن ہشام، مترجم: مولانا محمد اسحاق بھٹی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 2004، ج1، ص245

37۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، بیروت: دار صادر، 2001، ج2، ص78

38۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، نفیس اکیڈمی، کراچی جلد دوم، ص290

39۔ ابن اثیر، علی بن ابی الکرم محمد بن محمد الکامل فی التاریخ، بیروت، موسستہ الرسالتہ، ج ا، ص138

40۔ بلازری، احمد بن یحیی، فتوح البدن، لاہور، 2021، ص210-

41۔ بخاری، کتاب المظالم، باب الظلم ظلمات یوم القیلتہ، رقم الحدیث 2447

References

1. The Quran, Surah At-Tawbah, verse 6
2. Ahmad ibn Hanbal, Musnad of Imam Ahmad ibn Hanbal, Hadith No. 23489, Beirut: Mastafsat al-Risala, Volume 6
3. Al-Afriqi, Ibn Manzoor, Lisan al-Arab, Dar Sader, 1414 AH, Vol. 2, p. 2001
4. Imam Kasani, may God have mercy on him, Badaa' al-Sana'i fi Shardul al-Shari'a, Dar al-Kutub al-Ilmi, Beirut, Lebanon, 1986, Vol. 7, p. 167
5. Abu Dawood, Hadith 2751, Vol. 3, The Quran, Surah At-Tawbah, verse 6
6. Ahmad ibn Hanbal, Musnad of Imam Ahmad ibn Hanbal, Hadith No. 23489, Beirut: Mastafsat al-Risala, Volume 6
7. Ibn al-Qayyim, Ahkam Ahl al-Dhammah, Cairo: Maktaba al-Tawfiqiyyah, Volume 1
8. Yasin Mazhar Siddiqui, Arabic Civilization and Civilization (Lahore: Maktaba Qudsosia, 2004), pp. 107–112
9. Shibli Nomani, Seerat-un-Nabi, Vol. 1 (Islamabad: National Book Foundation, 2000), pp. 174–175
10. Ibn Hisham, Seerat-un-Nabi, Vol. 1 (Beirut: Dar al-Marfa, 1995), pp. 99–100
11. Abu Dawood, Sunan Abi Dawood, Kitab al-Jihad, Hadith 2765
12. Ibn Kathir, Al-Bidaa' wal-Nihaa', Vol. 3 (Beirut: Dar al-Fikr, 1997), p. 287
13. Ibn Sa'd, Al-Tabaqat al-Kubra, Vol. 3 (Beirut: Dar Sadir, 1985), p. 174
14. Yasin Mazhar Siddiqui, Arabic Civilization and Civilization (Lahore: Maktaba Qudsosia, 2004), p. 113
15. Ibid, p. 117

16. Al-Qur'an, Surat al-Tawbah, verse 6
17. Ibn Hisham, Abd al-Malik Ibn Hisham, Seerah al-Nabawiyyah by Ibn Hisham, Revival of Arabic Heritage, Vol. 1, p. 3034
18. Muslim bin al-Hajjaj, Sahih Muslim, Kitab al-Jihad and Seer, Chapter Tamir al-Imam al-Imra ali al-Bauwth and his will to them with the manners of al-Ghaz and others, Zahd al-Hadith 1731
19. Nawi, Yahya bin Sharaf. Sharh Sahih Muslim, Beirut: Dar Ihya al-Tarath al-Arabi, vol. 12, p. 147
20. Al-Muta', Kitab al-Muzara, Chapter in Trust on Money and Self, Number of Hadith 1763 Imam Malik, 6
21. Ibn Hajar Asqalani, Ahmad Ibn Ali. Fath al-Bari Sharh Sahih al-Bukhari, Beirut: Dar al-Marafah, volume 5, p. 285
22. Al-Toubah: 6-7
23. Ibn Kathir, Tafsir al-Quran al-Azeem, Maktaba al-Salam, Lahore, Surah at-Tawbah: 68
24. Surah an-Anfal: 19
25. Surah at-Tawbah, verse 6
26. Zia, Pir Muhammad Karam Shah. Zia al-Quran, Volume 2, Lahore: Zia al-Quran Publications, 2003, p. 181
27. Surah Quraish: 3,4
28. Surah Quraish: 3,4
29. Zia, Pir Muhammad Karam Shah. Zia al-Quran, Volume 5, Lahore: Zia al-Quran Publications, 2003, p. 671
30. Bukhari, Muhammad bin Ismail, Sahih Bukhari, Kitab al-Jizyyah wa wa-Wa'dah al-Muslimin wa-Jawrahm wa-Hadheeh y-Sayyah bah-Adnaahm, Hadith no. 3172
31. Sahih Bukhari, Kitab al-Adab, Bab ma ja' fi zumwa, Hadith no. 6158
32. Al-Nasa'i, Ahmad bin Shu'ayb, Sunan Al-Nasa'i, Kitab al-Hudood, Chapter Ma Jaya in the Killing of Al-Ma'mun upon him, Hadith Number 4747
33. Al-Nasa'i, Sunan Al-Nasa'i, Kitab Al-Iman, Chapter Al-Mu'min Min Amna Naas Ali Damaham Wa Amulah Al-Hadith, Hadith Number 4995
34. Al-Bukhari, Sahih Al-Bukhari, Kitab al-Jiziya and al-Madaama'a, Chapter "Dhimma al-Muslimin wa Jawarham" (One and the same) and "One and the same", Number of Hadith 3172.
35. Al-Nasa'i, Ahmad bin Shu'ayb, Sunan Al-Nasa'i, Kitab al-Hudood, Chapter Ma Jaya in the Killing of Al-Ma'mun upon him, Hadith Number 4747
36. Ibn Hisham, Muhammad Ibn Hisham, Sirat Ibn Hisham, Translator: Maulana Muhammad Ishaq Bhatti, Maktaba Rahmaniya, Lahore, 2004, vol.1, p.245
37. Ibn Hisham, Al-Sirat al-Nabawiyah, Beirut: Dar Sadr, 2001, vol.2, p.78
38. Tabari, Muhammad bin Jarir, History of Nations and Kings, Nafees Academy, Karachi, Volume II, p. 290
39. Ibn Athir, Ali bin Abi al-Karam Muhammad bin Muhammad al-Kamil fi al-Tarikh, Beirut, Musassat al-Risalatah, Vol. 1, p. 138
40. Balazri, Ahmad bin Yahya, Fatuh al-Badan, Lahore, 2021, p. 210-
41. Bukhari, Kitab al-Muzalim, Chapter al-Zalma, Jalamat al-Yaum al-Qailta, Hadith number 2447